Lesson 1: Al-Isra (Ayaat 1- 10): Day 2 سُوۡرَةُ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡل / الإسرَاء کی تفسیر

براہِ راست آیتوں پہ جانے سے پہلے کچھ باتیں سورۃ کی بھی اور پارے کی بھی

نہ صرف یہ کہ نئی سورۃ، نیا سبق بلکہ نیا پارہ بھی، سورۃ بنی اسرائیل اس وقت ہمارے سامنے ہے ۔

قرآن پاک کی بہت ہی خوبصورت سورۃ ہے۔ اگر آپ اس سورۃ پہ تھوڑی سی نظر ڈالیں تو آپ کو اس میں بہت کچھ ملے گا ۔

ا۔ پہلی بات سورۃ کا نام 'بنی اسرائیل' ایک قوم تھی۔ دکھ بھی ہوتا ہے، حسرت بھی آتی ہے، رشک بھی آتا ہے کہ لگتا ہے بنی اسرائیل قوم سے اللہ کو بہت پیار تھا ، کہ بار بار ان کا ذکر ہے۔ سورۃ البقرہ سے بنی اسرائیل کے قصے ہم پڑھ رہے ہیں اور حیرت اس بات پہ ہے کہ مسلمان نام کی کوئی بھی سورۃ نہیں ہے۔ قرآن پاک میں اسلام نام کی بھی نہیں ہے لیکن ماضی کے مسلمان بنی اسرائیل جو تھے ان کا ذکر موجود ہے ۔ تو اس سے پہلی بات تو یہ سمجھ لیں کہ اس سورۃ کے دو اور نام بھی ہیں ایک تو بنی اسرائیل جو کہ معروف ہے ہمارے سامنے ہے۔ دوسرا اس سورۃ کا نام اسریٰ بھی ہے جو آپ کے سامنے لکھا ہوا ہے پہلی ہی آیت میں ۔

سُبۡحٰنَ الَّذِىۡۤ اَسۡرٰى اسریٰ کہتے ہیں رات کے سفر کو ۔

تیسرے اس سورۃ کا نام سبحان بھی ہے پہلے لفظ سے۔ یہ سورۃ اور اس سے اگلی سورۃ جس کو ہم سورۃ الکھف کے نام سے پڑھیں گے، دونوں میں مماثلت ہے۔ آپ اس کو تصور کیجئے کہ آپ کسی بھی جگہ نیچے سے اوپر سفر کرتے ہیں تو اوپر پہاڑی کا حصہ تھوڑا سا سیدھا ہوتا ہے، جہاں لوگ بیٹھتے ہیں کھاتے ہیں پیتے ہیں۔

اگر ہم قرآن پاک کی ترتیب دیکھیں تو ایک وہ دن ہے جب ہم قرآن پاک شروع کرتے ہیں۔ ہر دن ہم کہتے ہیں ایک پارہ، دوسرا پارہ، تیسرا پارہ ،14 پارہ جو ابھی ختم ہوا اور پندرہواں پارہ ابھی شروع ہوا ،یہ بالکل سیدھا حصہ سوچئے۔ پھر سولہویں پارہ میں پیچھے جھک جائے گا، سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الکھف قرآن پاک کی سیدھی جیسے چوٹی کو سیدھا کرتے ہیں تو یہ وہ سورتیں ہیں۔اِدھر سے قرآن اوپر جارہا ہوتا ہے اُدھر سے قرآن پاک آگے کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اور ان دونوں کا بیچ میں آنا کسی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ پیچھے ہم نے حکمت کی بات پڑھی اور ادھر تو حقیقت میں حکمت کی بات ہے۔ ان کو جوڑا کہتے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں ایک دوسرے کی بات کی وضاحت کرتی ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل میں؛سورۃ کی پہلی آیت کیا ہے

(سبحان الذی) سبحان لفظ سے جبکہ سورۃ الکھف کا پہلا لفظ کیا ہے (الحمدللّٰہ)۔

یہ سورۃ 'سبحان اللہ' سے شروع ہورہی ہے ۔تو اگلی سورۃ 'الحمدللّٰہ' سے شروع ہورہی ہے۔ دونوں کو جوڑلیں تو حدیث میں آتا ہے "تسبیح نصف میزان ہے اور الحمدللّٰہ اسے بھر دیتا ہے"۔یعنی دین کے پلڑے کو آدھا آدھا بانٹتے ہیں تو آدھا سبحان اللہ آدھا الحمدللّٰہ ۔

پھر دوسری بات کہ یہ دونوں کلمے ایسے ہیں جو کسی بھی انسان کے دل میں اللہ کی معرفت پیدا کرتے ہیں۔ ایک طرف اسکی تعریف ہے، سبحان اللہ کے نام پہ اور دوسری طرف اسکی دی ہوئی نعمتوں پہ الحمدللّٰہ کہنا۔ دونوں سورتوں میں ایک جیسی چیز کیا ہے کہ دونوں سورتوں کے شروع میں اللہ کے نبی کو عبد کہا گیا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ اور سورۃ الکھف میں کیا آتا ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ کہ بندے پر کتاب اتری تو یہاں پر لفظ 'بندگی' مشترک ہے۔

پھر اسکے بعد اللہ تعالی نے اپنی طرف نسبت دی۔ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ہے کہ اللہ لے گیا اپنے بندے کو آسمان پہ اور سورۃ الکھف میں آتا ہے کہ اللہ نے اپنے بندے پہ کتاب اتاری دونوں کا تعلق آسمان سے ہے۔

پھر اسی طرح ایک اور مماثلت ہے کہ سورۃ بنی اسرائیل کی آخری دو آیتوں کا آغاز 'قُل' سے ہوا تھا۔ ہم پڑھیں گے اور سورۃ الکھف کی آخری دو آیتیں بھی 'قُل' سے شروع ہوتی ہیں۔ آپ کہہ لیں کہ جس طرح ٹرین کے مختلف ڈبے ہوتے ہیں، جس کو آپ انٹرلاکڈ کہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملی ہوتی ہیں۔ اسی طرح جو پیغام سورۃ بنی اسرائیل کی آخری آیتوں پہ ختم ہوتا ہے۔ وہی سورۃ الکھف سے شروع میں ہوتا ہے اسکو انشااللہ تعالی جب ہم سورۃ الکھف پڑھیں گے تو اور بھی تفصیل سے دیکھیں گے کیونکہ اس وقت تک سورۃ بنی اسرائیل تو پڑھ چکے ہوں گے۔

دوسری بات جو سورۃ بنی اسرائیل کے بارے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا؛ اصل تو ہمیں اسکی فکر ہے۔ تو اس کے بارے میں چند روایات نوٹ کیجئے گا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں :

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۃ الکھف، سورۃ مریم اور سورۃ بنی اسرائیل یہ اوّل دور میں نازل ہونے والی سورتیں ہیں۔ یہ اوطاق اوّل میں سے ہیں اور میرے طلاد میں سے ہیں۔ صیح بخاری کی روایت میں سے ہے۔ اعطاق کہتے ہیں بہت پرانی چیزوں کو عتیق لفظ ہمارے ہاں بہت مشہور ہے ۔ نام ہے کسی کا تو عتیق قدیم کو کہتے ہیں۔ طیلا دمال کو کہتے ہیں، مطلب قدیم مال ۔

مطلب یہ دو سورتیں ان سورتوں میں سے ہیں جو بہت قیمتی ہیں اور مکہ کے ابتدائی دور میں نازل

ہوئیں۔اسی طرح مسند احمد کی روایات میں آتا ہے اللہ کے نبیؐ ہر رات سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الزمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

کتنی لمبی آیات ہیں۔سورت بنی اسرائیل ون تھرڈ پارہ کی تو ہو گی اور سورت الزمر آدھے پارے کی ہو گی۔کیا ہم اتنا پڑھ سکتے ہیں،اس سے پہلے تو ہمیں نیند آجائے گی۔سورت قصص کے بعد یہ سورت نازل ہوئی تھی اور اس سورت کا بنیادی تھیم اس کے نام سے ثابت ہے۔بنی اسرائیل،وہ ماضی کے مسلمان تھے۔اللہ نے ان کو بار بار موقع دیا لیکن انھوں نے بھی بار بار اس موقع کا انکار کیا۔ اسکو نہیں مانا۔نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ انھیں جو نعمتیں دینا چاہتا تھا وہ انھوں نے لینے سے انکار دیا اور انھوں نے اسکا حق ادا نہ کیا۔تو اس صورت میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے چار مختلف ادوار ہیں۔دو عروج کے،دو زوال کے۔اور جنھوں نے ابھی دورۂ قرآن مکمل کیا ہے ان کو تھوڑی سی ہسٹری میں نے سنائی بھی تھی کہ کس طرح اللہ سبحان و تعالی قوموں کو بار بار اُبھرنے کے مواقع دیتا ہے،لیکن لوگ ہیں کہ وہ مان کے ہی نہیں دیتے۔تو ان ساری چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہم پڑھیں گے اور اس سورت کے شروع میں جو واقعہ آئے گا اس کا تو آپ سب جانتے ہیں بہت مشہور واقعہ ہے۔

اور اگر پورے سبق کا خلاصہ کریں تو سب سے پہلی آیت میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعۂ معراج پڑھیں گے۔اسکا تذکرہ ہے اس میں اور اگلی آیات میں بنی اسرائیل کی تاریخ ہے۔ان دونوں کو جوڑ لیں تو آج کے سبق میں اُمت مسلمہ کو ماضی کی تاریخ بتا کر تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اللہ کے عروج اور زوال کا ضابطہ نہیں بدلا۔جو قومیں اپنی کتاب کے ساتھ جڑی رہتی ہیں،نبیوں کے پیغام پہ عمل کرتی

ہیں تو اللہ سبحان وتعالی ان کو عزت بھی دیتا ہے، چن بھی لیتا ہے اور جو اس سے ہٹتی ہیں تو اللہ تعالی ان کو دنیا سے ہٹا دیتا ہے۔

واقعہ معراج اصل میں اس بات کی علامت تھی کہ اب امامت کا تاج بنی اسرائیل سے لے کر بنی اسماعیل کو دیا جارہا ہے۔ اسکا تذکرہ اس میں ہم تفصیل سے پڑھیں گے اور اس کے بعد بنی اسرائیل کے مختلف ادوار کو مختصراً دیکھیں گے۔ زیادہ کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے بعد آخر میں قرآن وہ ذریعہ ہے جو لوگوں کو ہدایت بھی دیتا ہے اور خوشخبریاں بھی۔ آیئے آیت کو شروع کرتے ہیں۔ آج پڑھنے کا طریقہ یہی رکھوں گی کہ پورے سبق کو ہلکی ہلکی وضاحت سے کرلیں اور پھر اس پورے سبق کو خلاصہ کے طور پر یاڈ سکشن کے طور پہ دوبارہ لیں گے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۱﴾

پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اُس مسجد تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے، تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ﴿۱﴾

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ پاک ہے وہ ذات، بات لفظ 'سبحان' سے شروع ہوئی ہے۔ یہ اللہ کی صفت ہے۔ اسی سے دیکھ لیجئے کہ اس صورت میں کتنی اہم باتیں ہوں گی کہ جس کا پہلا لفظ اللہ کی تعریف ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو کہاں اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ جو لے گیا اپنے بندے کو۔ یہاں لفظ عبد کے نیچے

لکھئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے نبی بندے تھے اور اللہ کے نبی کو اللہ کا بندہ کہنا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ نعوذ باللہ، نہیں! آپؐ اپنے آپ کو خود کہا کرتے تھے کہ ترجمہ؛' کہ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں' کہاں لے گیا لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا ، مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف۔ الَّذِىۡ بٰرَكۡنَا حَوۡلَهٗ جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا۔ یعنی بیت ال مقدس کا علاقہ بہت ہی بابرکت تھا، خوبصورت تھا۔ ایسا کیوں کیا لِنُرِيَهٗ مِنۡ اٰيٰتِنَا، تاکہ ہم دکھائیں اس کو، (کس کو) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نشانیاں اور اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ بے شک وہ سننے اور جاننے والا ہے۔ یہ آیت خاص طور پر اور جس طرح سورۃ کے اندر کا مزاج میں دکھتا ہے کہ ہجرت سے ایک سال پہلے کی نازل کی ہوئی ہے۔ حالات سخت تھے، مخالفت شدید تھی ، دشمن آپکو ختم کرنا چاہتا تھا کہ اسلام کی تاریخ بننے سے پہلے ہی مٹ جائے۔ ان حالات میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دو پیارے سہارے گھر کی زندگی میں خدیجہ جو بڑی ہی پیاری بیوی تھیں، ان کا انتقال ہوا دوسری طرف ابو طالب جو باہر کی زندگی میں آپؐ کے سہارے تھے ان کا انتقال ہوا۔ آپ کہہ لیجئے کہ اللہ کے نبی تنہا رہ گئے۔ آپؐ اداس رہتے تھے۔ ابو طالب کی زندگی میں لوگ آپؐ کو کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ قبائلی سسٹم تھا اور شرم ہوتی تھی ایک دوسرے کی۔ جو نہی اُن کا انتقال ہوا، اب دشمنوں کی کوششیں آپؐ کو ختم کرنے کی شدید ہو گئیں۔ لوگ آپؐ کی جان کے درپے ہو گئے۔ اتنے تکلیف دہ دن تھے کہ اس سال کو "عام الحزن" کہا گیا۔ غم کا سال اور ایسے وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیاں دینے، دلاسے دینے کے لیئے ایک سفر کرایا گیا، جس کو "معراج کا سفر" کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ واقعہ بہت معروف ہے، اور اس کو پڑھتے بھی رہتے ہیں اور سنتے بھی رہتے ہیں کہ کس

طرح سے اللہ کے نبی کو معراج کرائی گئی۔ معراج کا لفظ عروج سے ہے۔ عروج سیڑھی کو کہتے ہیں، عروج اردو میں بلندی کو کہتے ہیں۔

آپؐ کو اصل میں بلندی ملی۔ معراج امامت کی تبدیلی کا سمبل تھا۔ مسلمان مکہ کے حالات میں اس طرح پس چکے تھے کہ ہجرت کا وقت قریب تھا اور مسلمانوں کو اب ایک ایسی فتح ہونے والی تھی کہ جس کا لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ لِنُرِيَهٗ مِنۡ اٰيٰتِنَا ؕ سے مراد یہ پتا چلتا ہے کہ اس سفر میں آپؐ کو نشانیاں دکھائی گئیں گویا کہ آپ کہ سکتے ہیں کہ معراج علم کا سفر تھا۔ اس کے دو مرحلے تھے۔

ابھی چھوٹی چھوٹی باتیں لکھیں پھر آپکو ایک لیکچر کا بتاتی ہوں اس کو سنیں گے تو ساری تفصیل آ جائے گی۔ بیت اللہ سے لے کر بیت القدس تک کا سفر زمین پر ہوا تھا۔ جبرائیل کے ذریعے براق نام کا ایک جانور لایا گیا۔ اور ایک رات پہلے فرشتوں کے ذریعے اللہ کے نبی کا سینہ کھول کر اس کو زمزم سے دھویا گیا تھا اور اس میں حکمت بھری گئی تھی۔ کیونکہ جو چیزیں اوپر آپؐ نے دیکھنی تھیں وہ کوئی عام انسان نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے مرنے کے بعد جو چیزیں روحیں دیکھ سکتی ہیں وہ آپ اور میں نہیں دیکھ سکتے۔

جب اللہ کے نبی کا معراج کا سفر شروع ہوا تو مکہ سے بیت القدس تک جس کو آج کل سریہ، شام یا یروشلم کہتے ہیں، کی طرف زمین کے ذریعے ہوا تھا۔ یہاں سب سے پہلے آپؐ کو مدینہ کی بستی دکھائی گئی تھی تا کہ آپؐ کو بتا دیا جائے کہ اب آپؐ یہاں ہجرت کر کے آنے والے ہیں۔ یہ تو ہجرت کا راستہ آپ نے چنا تھا، وہ آپؐ کو معراج کے موقع پہ بتایا گیا تھا کہ یہ آپکا راستہ ہو گا۔ اپنی مرضی سے نہیں آنا جانا۔

پھر اس کے بعد وہاں سے بیت اُل مقدس سے اُوپر آسمان تک جس کو "سدرۃ المنتھیٰ" کہتے ہیں، یہ سفر کا دوسرا حصہ تھا۔ اصل معراج، بیت المقدس سے آسمان تک ہے اور جو زمین کا سفر ہے اسکو'اسراء ' کہتے ہیں۔ مقصد کیا تھا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم علم کے سفر میں بہت کچھ سیکھیں۔ یہاں سے کیا پتا چلتا ہے کہ علم دینے والے کو خود بھی سفر کرنا چاہیے۔ ہمارے ہاں ایک معروف جملہ ہے کہ سفر وسیلۂ ظفر۔ حالانکہ حدیث میں سفر کو عذاب کا ٹکڑا کہا گیا ہے کیونکہ سفر سفر ہی ہوتا ہے لیکن اللہ اپنے نبی کو آنکھوں سے وہ چیزیں دکھانا چاہتے تھے جو بعد میں آپ نے لوگوں کو دینی تھیں۔ تو آپ کہہ لیں کہ اللہ تعالی اپنے نبی کو علم الیقین کے درجے پہ لے کر گئے۔ اور آپ نے جنت جہنم کی وہ چیزیں بھی دیکھیں جو کھلی آنکھوں سے نہیں دیکھی جا سکتی۔ مسلمان ماضی میں علم کے لئے جو سفر کرتے تھے، اس پہ آج بھی غیر مسلم حیران ہیں۔ "رحلہ فی العلم یا رحلہ فی الطلب العلم" کہتے تھے۔

حدیث کی کتابوں میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ایک سفر بہت مشہور ہے۔ جب ان کو پتا چلا کہ ایک شخص شام میں رہتے ہیں، جنہوں نے اپنے کانوں سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنی ہیں تو انھوں نے نیا اونٹ خریدا اور ایک ماہ کی مسافت طے کر کے شام پہنچے۔ اُن صحابی کے گھر پہنچ کر دروازہ نہیں کھٹکھٹایا، کہ صحابی ڈسٹرب نہ ہوں، بلکہ دروازے پہ بیٹھ گئے۔ خود اپنی کسی ضرورت سے جب وہ دن کے کسی حصے میں باہر نکلے، تو انھوں نے دیکھا کہ جابر وہ بھی مدینہ سے۔ انھوں نے کہا عبد اللہ بن اُنیس کیا حال ہے۔ اندر لے گئے پھر ان کو کہا کہ آپ ادھر باہر کیوں بیٹھے تھے، دروازہ کیوں نہیں کھٹکھٹایا۔ انہوں نے کہا میں نے سوچا آپ آرام کر رہے ہوں گے، جب نکلیں گے تو اندر آؤں گا، میں اپنی طلب سے آیا ہوں۔ خیر بیٹھے کھایا پیا۔ پھر کہا کس کام سے آئے ہو، کہنے لگے مجھے پتا

چلاہے کہ آپ کے پاس ایک حدیث ہے، مجھے وہ بتادیں۔ کہا اچھاواقعی صرف ایک حدیث کی خاطر آئے ہو، کہاہاں۔

اَب آپ اپنے اوپر لیں۔ آپ ایک گھنٹے یادو گھنٹے کی مسافت سے، آرام دہ گاڑی پہ، اے سی لگاہوا ہے سیٹیں ٹھیک ہیں، یہ آئے اور ہم اس کو بھی دور کہتے ہیں۔ اب آپ سوچیں! ایک مہینہ گھوڑے پہ یا اونٹ پہ جانا، گرمی سردی سہنا، اور آگے سے جو حدیث ملی وہ سن کے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مجھے لگتاہے ساری تھکن ہی اتر گئی ہو گی۔ پھر کہا آؤ بیٹھوں تمہیں حدیث سناتاہوں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ترجمہ؛

جو علم کے راستے پہ چلا اللہ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں۔

مجھے نہیں پتا آپ میں سے کون کہاسے آیاہے، مگر یہ علم کاراستہ ہے، یہ جنت کی کوشش ہے۔ اگر سفر میں بار بار اسٹاپ آئیں توراستہ لمباہو جاتاہے۔ بندہ تھک جاتاہے، چھوٹاسفر ہو تو آرام سے گزر جاتا ہے۔ راستہ لمباہو تواس کاانجام جلد سامنے آجاتاہے۔ تولہٰذا آپؐ نے فرمایا کہ علم کاراستہ خوبصورت ہوتاہے۔ تواس سفر معراج کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم دیاگیاتھا۔ باقی سفر کی جو تفصیل ہے وہ ایک لیکچر ہے، الحمدللہ پچھلے دنوں نیٹ پہ تھا، عموماًلوگ رجب کے مہینے میں اس کو مناتے ہیں۔ پوری اس کی تفصیل ہے کہ آپ کو سفر میں کیاکچھ دکھایاگیا۔

http://www.nq-international.com/audios/islamic-months/rajab

کچھ ایسے کام بھی دکھائے گئے جن کے کرنے سے جنت کی خوش خبریاں ہیں، کچھ کے وبال دکھائے گئے۔ آپ سب کو جب موقع ملے اس لکچر کو سن لیں مگر یہ یادرکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاءِ

کرام سے بھی ملے، راستے میں آپ کو وہ جگہیں دکھائی گئیں جہاں انبیاء کرام نے تبلیغ کی، حضرت صالح کی اونٹنی کی جگہ دکھائی گئی۔ اور خاص طور پر یہاں پہ جو یہ کہا گیا کہ۔ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ

تو لفظ سبحان کیا ہے۔ جو ہم یہ تسبیح پڑھتے ہیں سبحان اللہ، سبحان اللہ، ھ اور ح کا فرق دیکھ کے ح بولیں۔ یہ ہوا یا تیزی سے گزرنے والے کو کہتے ہیں۔ اشارہ ہے یہاں کہ عبادت میں تیزی کرنا۔ قول سے بھی تسبیح ہوتی ہے فعل سے بھی۔ قول سے کیا ہے سبحان اللہ، سبحان اللہ، فعل کیا ہے اللہ کا حکم سن کے چل پڑنا، جو آپ صبح سے سیکھ رہے ہیں کہ اس قرآن کو سن کے فوراً مانو۔ تو بہر حال اللہ نے یہاں پہ ذکر کیا اور اسراء کا لفظ سری ہے، رات کو سفر کرنا، جب با یہاں پہ لگتی ہے جیسے بعدہٖ(ب) اسکا معنی ہوتا ہے سفر کرانا، مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ۔

مسجد حرام بیت اللہ کو کہتے ہیں۔ مسجد الحرام کیوں کہتے ہیں، بچپن میں مجھے سمجھ نہیں آتا تھا کہ

حرام کا لفظ تو بڑا برا ہے۔ پھر بڑے ہوئے، پڑھا اور سمجھ آیا کہ وہاں بہت ساری چیزیں حرام ہیں جو عام جگہ پہ حلال ہیں۔ مثلاً وہاں کا آپ گھاس نہیں توڑ سکتے، وہاں شکار نہیں کر سکتے، وہاں گری پڑی چیزوں کو آپ نہیں اٹھا سکتے۔ اسی طرح مسجد اقصیٰ سے مراد یروشلم ہے۔ اقصیٰ کہتے ہیں دور کو، دور اس لیئے کہتے ہیں کیونکہ یہ مسجد مدینہ سے دور تھی۔ اور اس سے مراد کیا آج کے دور کی مسجد اقصیٰ ہے؟

بہت سارے لوگوں کی یہ غلط فہمی ہے یہ مسجد اقصیٰ کا اس دور میں تو نام و نشان بھی نہیں تھا۔ یہ مسجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بنوائی تھی بہت بعد میں جب مسلمانوں نے یروشلم فتح کیا تھا۔ ادھر مسجد اقصیٰ سے مراد خاص طور پہ وہ 'ٹیمپل سلمان رضی اللہ عنہ'۔ ٹیمپل تو اس دور کی زبان میں کہتے ہیں

لیکن ایک عبادت خانہ تھا جو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے بنوایا تھا۔ اس کی طرف تھوڑا سا اشارہ ہے۔ جس کا ذکر ہم اگلی آیتوں میں کریں گے۔ آپ کو بتاؤں گی لیکن اس سے مراد بیت المقدس ہے۔

بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ کیوں کہا کیونکہ یہ جگہ دنیاوی اعتبار سے بھی بابرکت ہے اور روحانی اعتبار سے بھی بہت زرخیز ہے۔ یہاں کی آب وہوا بہت اچھی ہے۔ اور روحانی فائدہ دیکھیں تو جتنے بھی بڑے بڑے انبیاء کرام نکلے ہیں وہ اسی علاقے سے آئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی یہیں دفن ہیں۔ یہاں ہیکل سلمانی، بنی اسرائیل کی مرکزی عبادت گاہ تھی۔ پتا نہیں کتنے بندے شروع سے لے کر اب تک یہاں آئے ہیں، تو یہاں بہت ساری برکتیں تھیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بیت اللہ سے بہت المقدس لے جایا گیا تو جو اللہ کے نبی فوت ہو چکے تھے ان کی روحوں کو جسم دیئے گئے۔

یہ اللہ کا معجزہ ہے اللہ دے سکتا ہے ہم نہیں جانتے ہمارا بس ایمان ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام نبیوں کی امامت کروائی تھی اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "امام الانبیاء" کا لقب ملا، یہ اسی موقع پہ ملا اور یہاں یہ بھی پتا چل گیا کہ یہ ایک اعلان تھا آپ کہ سکتے ہیں کہ سفر معراج ایک خاص موقع تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان آگئے ہیں۔ ہر نبی نے اپنے دور میں لوگوں کو آخری نبی کی باتیں بتائیں تھیں۔ تو گویا اللہ تعالی نے دکھا دیا کہ پہلے تو بیت اللہ ان کے پاس تھا۔ اب بیت المقدس بھی ان کے انڈر آنے والا ہے، لھٰذا اب ان کو دکھا کر زمین کی چیزیں اب ان کو آسمان پہ لے جایا گیا۔

تو اس سے پتا کیا چلتا ہے کہ اللہ تعالی امتوں کو موقع دیتے ہیں۔ اس موقع پہ جو نشانیاں ملی تھیں وہ سب سے بڑی چیز جو تھی وہ نماز تھی پانچ تحفے ملے تھے معراج کے؛

ا۔۔۔ پہلے ایمان والے کو گناہوں کی معافی۔ سزا کے ذریعے ہ، وچاہے توبہ کے ذریعے ہو لیکن جو توحید پہ مرے گا اسکو اجر ملے گا۔ اسکو جنت بالآخر ضرور ملے گی۔

۲۔۔۔ دوسرا تحفہ تھا ہر نیکی کا اَجر دس گناہ ہونا۔ کیوں کہ شروع میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں تھیں، لیکن بعد میں حضرت موسیٰ علیہ اسلام کے تجربے اور ان کے مشورے کی وجہ سے پانچ رہ گئیں تھیں۔ مگر اللہ نے کہہ دیا کہ ہمارے ہاں بات بدلی نہیں جاتی، تم پڑھو گے پانچ لیکن ثواب تم کو پچاس کا ہو گا۔ اسی طرح اہل توحید کو اپنے ہر عمل کا دس گنا اجر ملے گا۔ جیسے اگر آپ یہاں آ کے ایک گھنٹا بیٹھتے ہیں تو آپ دس گھنٹے لکھ رہے ہیں۔ تو ثواب کے لحاظ سے آپکی کلاس چالیس گھنٹوں کی کلاس ہے، ماشااللہ بہت ہی امیر ہو جائیں گے آپ تو الحمدللہ۔

3۔۔۔ نماز کا تحفہ

4۔۔۔ پھر سورت البقرہ کی آخری دو آیات اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ

سے لے کر اَنۡتَ مَوۡلٰٮنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۸۶﴾

آپ کہ لیجئے پورا قرآن زمین پر اترا لیکن سورت البقرہ کی آخری دو آیات آسمان پہ اتریں۔ اس لئے اسکو عرش کا خزانہ کہتے ہیں۔

پوری شریعت زمین پہ ملی اور نماز آسمانوں پہ ملی۔ کیا بتادیا کہ نبی کی معراج تو آسمانوں پہ ہوئی، بندہ مومن کی معراج نماز میں ہو جاتی ہے۔ اس دنیا میں نماز کے دوران وہ کیفیت ہوتی ہے، جو اللہ کے نبی کی معراج کے موقع پہ آسمان پہ ان چیزوں کو دیکھ کے ہوئی تھی۔ تو اس نماز کو ہلکا نہیں جاننا۔ اسی طرح بعض روایات میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی نے جو کلمات اللہ تعالی کو کہے تھے اس موقع پہ

التحیات للّٰہ و الصلوت و الطیبات السلام علیک۔۔

جو نماز میں ہم تشہد میں پڑھتے ہیں، تو بڑی محبت کا سفر تھا۔ اسکو سنُیے گا، اس میں بہت تفصیل سے بات کی ہے کہ یہ سفر ممکن کیسے ہوا، اور آخری بات کرکے آگے چلوں گی کہ معراج ہی کا موقع تھا جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مقامِ صدیقیت ملا۔ جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے موقع پہ ایک ہی رات میں راتوں رات جا کے واپس آ گئے۔ تو مکہ والوں میں خبر پھیل گئی، یہ کیا ہوا ہے۔ اُمِّ ہانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پلو پکڑ کے آپ کو روک رہیں تھیں کہ خدا کے لئے باہر جا کر یہ نہ کہیے گا کہ آج رات میں راتوں رات وہاں سے ہو کر واپس آ گیا۔ یہ لوگ پہلے بھی آپکو کاہن اور مجنوں کہتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ تو پھر ایسا نہ ہو کہ کچھ اور ہی کہیں لیکن آپ نے کہا کہ میں وہ بات کیسے چھپاؤں جو اللہ نے مجھے کہنے کا حکم دیا۔ بات جب باہر پھیلی بات مشہور ہو گئی تو وہ مشرکین کہنے لگے نعوذ باللہ؛ اللہ کے نبی پہ تو جادو ہو گیا ہے کہ یہ ہر چیز کو اس طرح کہہ دیتے ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ کی ابھی رسول اللہ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ کہتے ہیں راستے میں ابو جہل نے روک کے ان سے پوچھا کہ میاں یہ تو بتاؤ! کوئی راتوں رات یہاں سے جا کر بیت المقدس سے آ سکتا ہے۔ تو ابو بکرؓ نے کہا ممکن تو نہیں ہے۔ کیونکہ اس دور میں کوئی جہاز، ہیلی کاپٹر کا تصور ہی نہیں تھا۔ کہتا تمہارا

دوست آج یہ باتیں کر رہا ہے، کہا اچھا یہ سب ماجرا محمدؐ نے کہا ہے، پھر یہ ہو سکتا ہے۔ ان کو اس بات پہ اتنا یقین تھا۔ اللہ کے نبیؐ نے حضرت ابو بکر کو 'صدیق' کا لقب دیا۔ تو ہمیں اپنے اوپر یہ تصدیق چاہیئے۔ لہٰذا یہ ساری چیزیں ذہن میں رکھیئے گا۔